امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی:

ایران کے سیاسی حالات ۱۹۴۱ء سے ۱۹۶۱ء تک

از: محمد حسن رجبی

شاہی اقتدار اور باغی حکومت کے قیام کے بعد ایران میں قومی تحریک کے دوران حاصل ہونے والی تمام سیاسی اور اقتصادی کامیابیاں مٹی میں مل گئیں فوجی بغاوت کے نتیجے میں تشکیل شدہ زاہدی حکومت نے امریکی تیل کمپنیوں کے ساتھ شرمناک وخسارہ آمیز معاہدے کئے جس کے بموجب ایران میں تیل کی مجموعی تولید کا ۴۰ فیصد امریکی اور برطانوی کمپنیوں کا حصہ تھا۔

فوجی بغاوت کے بعد ایران میں امریکی اثر ورسوخ میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کا سارا انتظام امریکہ اور برطانیہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اس زمانے میں برطانیہ کی اقتصادی حالت بہت خراب ہو گئی اور وہ روز بروز امریکی اقتصادی امداد پر منحصر ہوتا چلا گیا۔ دوسری طرف امریکہ کی اقتصادی اور فوجی طاقت بڑھتی رہی جس کی وجہ سے برطانیہ اپنے نوآبادیاتی علاقوں میں بھی امریکی سیاسی تعاون کا محتاج ہو گیا چنانچہ برطانوی نوآبادیاتی ملکوں میں برطانیہ کے جاسوسی اداروں نے امریکہ کے لئے کام کرنا شروع کر دیا اور یہ ادارے امریکی جاسوسی تنظیم کا ایک اہم حصہ بن گئے۔[1]

اگر اس سے قبل شاہ اور اس کے وزیر اعظم صرف برطانیہ سے وابستہ تھے تو اس کے بعد وہ لوگ دونوں طاقتوں کی سیاسی اطاعت وفرمانبرداری میں سرگرم ہو گئے۔[2] ایرانی افواج کے سابق سپہ سالار جنرل حسین فردوست نے لکھا ہے کہ شاہ اپنی پوری حکومت کے دوران بلکہ خصوصی طور سے فوجی بغاوت کے بعد منظم اعتبار سے امریکی اور برطانوی حکمرانوں سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ دو ہفتے میں ایک بار امریکی اور برطانوی سفیر سے الگ الگ ملاقات کرنا اس کا فریضہ تھا اور اسی طرح ہر ہفتے خفیہ امریکی تنظیم CIA اور برطانوی جاسوسی تنظیم کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنا ضروری تھا نیز ان دونوں خفیہ تنظیموں کے ساتھ رابطہ رکھنے والے موثر ترین ایرانی افسر شاپور جی سے ہر ہفتہ ملاقات وگفتگو شاہ کے معمول زندگی میں شامل تھا۔[3] شاہ کے علاوہ شاہی حکومت سے وابستہ افسران بھی امریکی اور برطانوی سفارتخانوں کی حمایت وپشت پناہی حاصل کرنے میں لگے رہتے تھے تاکہ انہیں مزید اونچے عہدوں پر پہونچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔[4] اس کے علاوہ شاہ کی طرف سے حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو یہ ہدایت تھی کہ برطانوی اور امریکی سفارتخانوں کی طرف سے جو اطلاعات طلب کی جائیں وہ انہیں فوراً فراہم کر دی جائیں۔[5]

ان دونوں طاقتوں کے جاسوس ملک کے تمام فوجی اور انتظامی اداروں میں موجود رہتے تھے بلکہ صورتحال یہ تھی کہ جاسوس شاہی دربار میں مختلف مشاغل میں لگے تھے جن کی باگ ڈور اسد اللہ علم اور ڈاکٹر عبد الکریم ایادی (بہائی) کے ہاتھوں میں تھی۔[6]

فوجی بغاوت سے لیکر اسلامی انقلاب کی کامیابی تک ایران کے تمام اہم سیاسی، فوجی، حفاظتی اور اقتصادی مراکز اور ادارے امریکہ اور برطانیہ کے کنٹرول میں کام کرتے تھے۔ آخری چند برسوں کے دوران اسرائیلی افسروں کا غلبہ ہو گیا تھا اور اسرائیل نے اپنے زرخرید غلاموں اور ایرانی ایجنٹوں کو ان اداروں پر مسلط کر دیا تھا اور ان ہی ایرانی ایجنٹوں کے ذریعہ وہ اپنے اسلام دشمن منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں لگا ہوا تھا۔ ذیل میں ان زرخرید غلاموں کی کرتوتوں کا اجمالی تجزیہ، فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

۱۹۵۶ء میں امریکی مشاورین کے ذریعہ ایران میں قومی حفاظتی اور اطلاعاتی تنظیم "ساواک" کی تشکیل عمل میں آئی جس کی قیادت درپردہ انہیں طاقتوں کے ہاتھ میں تھی۔ ساواک کا وہی کام تھا جو امریکی تنظیم CIA اور FBI کا کام تھا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ساواک ان امریکی تنظیموں کی ایک شاخ کی حیثیت سے ایران اور اس علاقے کے دیگر ملکوں کے سلسلے میں خفیہ اطلاعات جمع کرنے میں لگی رہتی تھی۔۷ اور اس تنظیم کو یہ اہمیت حاصل تھی کہ شاہ ساواک افسروں کی آنکھوں سے دیکھتا اور انہیں کے کانوں سے سنا کرتا تھا اور اس کے تمام کام خفیہ طور پر انجام پاتے تھے اور اس تنظیم کے افسروں کی طاقت لامحدود تھی اور ان کا کام شاہ اور شاہی حکومت کے خلاف سرگرم عمل انقلابی افراد وعناصر کی گرفتاری اور نہایت وحشیانہ اور خوفناک انداز میں ان کی نابودی تھا تا کہ شاہی اقتدار کے خلاف کوئی تحریک سر نہ اٹھا سکے۔ اس کے علاوہ ۱۹۵۹ء میں امریکہ اور برطانیہ کی نگرانی میں "خصوصی دفتر اطلاعات" نامی ادارہ کی تشکیل ہوئی جو ساواک سے زیادہ طاقتور تھا اور جس کے تمام کام خفیہ اور مجرمانہ انداز میں انجام پاتے تھے۔۸

۱۹۵۸ء میں ایران اور امریکہ کے درمیان ایک فوجی معاہدہ ہوا جس کے بموجب اگر کوئی تیسرا ملک (سوویت یونین) براہ راست یا بالواسطہ طور پر حملہ آور ہو تو امریکہ ایران میں اپنی فوجیں بھیج سکتا تھا۔۹ واضح رہے کہ ۱۹۵۳ء

سے ایران کے تمام فوجی، اقتصادی اور انتظامی اداروں میں امریکی مشاورین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی چنانچہ ان لوگوں نے اس فوجی معاہدہ کو جلد ہی سرکاری حیثیت دیدی اور اس کے بعد ملک کے کونے کونے میں، بالخصوص روسی سرحدوں کے قریب واقع ایران کے شمالی صوبوں

امریکہ اور برطانیہ کی مشترکہ منصوبہ بندی کے ساتھ آہستہ آہستہ اسرائیلی خفیہ تنظیم نے ایران میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرلیا اور امریکی و برطانوی جاسوس عمداً پیچھے ہٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایرانی خفیہ تنظیم ساواک پر اسرائیلی جاسوسوں کا تسلط قائم ہوگیا۔

میں امریکہ نے راڈار اسٹیشن اور دیگر خصوصی مراکز قائم کردئے جس کی وجہ سے سابق سوویت میں شامل تمام جنوبی مملکتوں کی اطلاعات امریکہ کو حاصل ہونے لگیں۔۱۰ دوسری طرف برطانیہ کی خفیہ تنظیم intelligence Service اپنے ایرانی ایجنٹوں کے ذریعہ خفیہ اطلاعات حاصل کرنے میں ہمہ تن سرگرم تھی۔۱۱ فردوست نے لکھا ہے کہ "امریکہ اور برطانیہ کی مشترکہ منصوبہ بندی کے ساتھ آہستہ آہستہ اسرائیلی خفیہ تنظیم نے ایران میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرلیا اور امریکی و برطانوی جاسوس عمداً پیچھے ہٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایرانی خفیہ تنظیم ساواک پر اسرائیلی جاسوسوں کا تسلط قائم ہوگیا اور امریکہ نے اپنی پوری توجہ ایرانی فوج پر مرکوز کردی.....۱۲" ۱۹۵۸ء سے ایران کے مغربی اور جنوبی علاقوں میں اسرائیلی اطلاعاتی مراکز کی تشکیل کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔۱۳ لیکن ۱۹۶۱ء کے بعد اسرائیلی تنظیم موساد اور ایرانی خفیہ ساواک کے درمیان تبادلۂ اطلاعات کا سلسلہ قائم ہوگیا۔۱۴ اس کے علاوہ شاہی حکومت کے آخری دور تک ساواک کے ملازمین اور اعلیٰ افسروں کی تربیت کا کام موساد کیا کرتی تھی چنانچہ اس مدت کے دوران ایرانی فوج اور ساواک کے اکثر اعلیٰ افسران لازمی ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے اسرائیل بھیجے گئے تاکہ وہ فوجی اور انتظامی امور میں اسرائیلی ماہرین سے ہدایت حاصل کرسکیں۔ ان خفیہ اداروں اور غیر ملکی جاسوسی تنظیموں کے علاوہ دیگر افراد اور جماعتیں مثلاً بہائی جماعت سے وابستہ عناصر بھی موجود تھے جو بظاہر آزاد مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں میں مشغول نظر آتے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ لوگ اسرائیلی خفیہ تنظیم موساد کے لئے کام کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ملک کے اکثر سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی ادارے کے اعلیٰ عہدوں پر فری میسن نامی تنظیم سے وابستہ لوگوں کو تعینات کردیا گیا تھا جو امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل کی غلامی کو باعث افتخار خیال

کرتے تھے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان تینوں سامراجی ممالک کی خفیہ سرگرمیوں کے درمیان اتحاد و تال میل قائم کرنے میں فری میسن نامی تنظیم سے وابستہ عناصر بنیادی کردار ادا کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ شاہی نظام حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ اگرچہ فوجی بغاوت کے بعد تیل کی فروخت کی وجہ سے ملک کی قومی آمدنی میں کافی اضافہ ہوگیا تھا لیکن بھاری فوجی بجٹ اور شاہی حکومت کی غیر معمولی فضول خرچی کی وجہ سے ایران پر بیرونی قرض کا بوجھ روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۳ء کے دوران ایرانی تیل کے کنوؤں سے ۳۴۰ ملین ٹن تیل نکالا گیا جو تیل کی اس مقدار سے کہیں زیادہ تھا جو برطانیہ نے دارسی معاہدہ کے بعد گذشتہ پچاس برسوں کے دوران غصب کیا تھا۔ ۱۴

فوجی بغاوت کے بعد کی پہلی دہائی میں ایران میں سیکڑوں بیرونی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ یہ کمپنیاں یا تو پوری طرح خارجی سرمایہ تھیں یا ان میں قدرے داخلی سرمایہ بھی شامل ہوا کرتا تھا اور ان میں سے اکثر کو کسٹم اور انکم ٹیکس سے چھوٹ جیسی دیگر خصوصی اور امتیازی مراعات حاصل تھیں۔ فقط ۱۹۵۹ء میں یورپی ممالک نے تقریباً ایک ارب ڈالر کا بیرونی سرمایہ ایران میں لگا رکھا تھا۔ ۱۵ ایران میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھنے کے لئے غیر ملکی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۵۵ء میں کچھ خصوصی معاہدوں کو منظوری دی گئی جس کے بموجب بیرونی ممالک کے سرمایہ گزاروں کو مزید خصوصی مراعات فراہم کی گئیں۔ ان سرمایہ گزاروں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ ایرانی باشندوں کی طرح جس تجارتی شعبے میں سرمایہ لگانا چاہیں لگائیں البتہ حکومت نے انہیں یہ ضمانت دے رکھی تھی کہ ان کی کمپنی یا تجارتی ادارے کو قومی ملکیت قرار نہیں دیا جائے گا اور بیرونی سرمایہ کار کو یہ حق حاصل

ہوگا کہ وہ اپنے منافع کی بڑی سے بڑی رقم بھی ایران سے باہر لے جانے کے لئے پوری طرح آزاد ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۵۷ء میں امریکی سرمایہ کاروں کو خصوصی مراعات و سہولیات کی فراہمی کے سلسلے میں کچھ اور خصوصی قانون پاس کئے گئے۔ ۱۶

ان قوانین کی منظوری کے بعد ایران میں متعدد یورپی اور امریکی تجارتی وزراعتی کمپنیوں کی تشکیل کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا اور ان یورپی اور امریکی کمپنیوں کے سربراہ اکثر وبیشتر بہائی ہوا کرتے تھے جنہوں نے اپنے ذاتی سرمایہ سے ایران میں غیر ملکی کمپنیوں کا جال پھیلا دیا تھا اور انہیں شاہی حکومت کی بھرپور حمایت وسرپرستی حاصل رہا کرتی تھی۔

۱۹۵۹ء میں "کھلا بازار" سیاست کی وجہ سے ایران میں غیر ملکی مال کی کھپت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا یعنی بیرونی ممالک سے درآمد شدہ مال ۱۹۵۴ء کے مقابلے میں چھ گنا زیادہ ہوگیا تھا۔ دوسری طرف ایران سے تیل کے علاوہ دیگر اشیاء کی برآمداتی شرح میں بھاری کمی آگئی تھی اور ملک میں صنعتی ترقی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی بلکہ منافع خوری اور دولت کی جمع آوری کا بازار گرم ہوتا رہا۔ ۱۷ اس مدت کے دوران غیر منظم اور غیر مرتب اقتصادی ترقی کی وجہ سے ملک بالخصوص تہران کے سماجی ڈھانچے میں غیر معمولی تبدیلی آگئی۔ اس سے قبل تہران کے قدیمی محلوں میں ہر طرح کے خانوادے زندگی بسر کیا کرتے تھے چنانچہ سماج کے ہر طبقے کے لوگوں کے درمیان تعلقات ہوا کرتے تھے لیکن حکومت کی اس نامعقول اقتصادی سیاست کے نتیجے میں رونما ہونے والا منافع خوروں کا یہ نیا سماجی طبقہ پرانے محلوں کو چھوڑ کر تہران کے شمالی علاقوں میں نو تعمیر شدہ مغربی اور یورپی طرز کے مکانوں میں آباد ہوگیا، جس کی وجہ سے سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان مل جل کر زندگی بسر کرنے کا چلن تقریباً ختم ہوگیا اور ایرانی شہری زندگی میں جو طبقاتی اختلافات محسوس ہوا کرتے تھے وہ اس دوران بالخصوص "انقلاب سفید" کے بعد پوری طرح ختم ہوگئے۔ ۱۸

ملک کی قومی آمدنی کا بہت بڑا حصہ فوجی

بجٹ کی حیثیت سے خرچ ہوا کرتا تھا اور فوجی بغاوت کے بعد فقط دس سال کے اندر، ایران کے فوجی اخراجات میں چار گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ سالانہ قومی بجٹ میں، فوجی اخراجات میں، ہر سال ۲۴ فیصد کا اضافہ یقینی تھا۔ ملک میں امریکی ہتھیاروں کی ریل پیل تھی اور ہزاروں امریکی فوجی مشاورین ایران آچکے تھے اور بظاہر یہ پروپگنڈہ کیا تھا کہ یہ تمام ہتھیار اس لئے جمع کئے جا رہے ہیں کہ ایران، روس کی طرف سے ہونے والے احتمالی فوجی حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے لیکن خود امریکہ، شاہ ایران اور ایرانی عوام کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ تھا کہ یہ محض ایک بے بنیاد اور جھوٹا پروپگنڈہ ہے اور روسی حملے کی آڑ میں ان اسلحوں کے ذریعہ ملک کے اندر اور علاقائی سطح پر ابھرنے والی تحریکوں کا سر کچلنا ہے۔

"ایران، شاہ کا مخالف" نامی کتاب کے مصنفین لکھتے ہیں کہ ایران کو دی جانے والی امریکی فوجی امداد کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۶۳ء میں ایرانی فوج کا سپہ سالار امریکی ممبر پارلیمنٹ ہوبرٹ ہمفرے کو یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ لوگوں نے ہمیں اتنا اسلحہ اور جنگی ساز و سامان فراہم کر دیا ہے کہ اب ہم داخلی سطح پر رونما ہونے والی مختلف تحریکوں کو بہ آسانی کچل سکتے ہیں۔ اب آپ لوگوں کو اس فوجی امداد میں قدرے اضافہ کر دینا چاہئے تاکہ ہم لوگ روسیوں کے خلاف بھی جنگ لڑ سکیں۔"[19] لیکن ایران پر روس کا احتمالی حملہ محض ایک بہانہ اور بے بنیاد پروپگنڈہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ امریکہ ایران کی شاہی حکومت کو جدید ترین اسلحوں سے مسلح کرتا رہے۔ ایران میں فوجی بغاوت کے چھ سال بعد مشہور امریکی صحافی والٹر لیپمن اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس موضوع کا سیاسی تجزیہ کرتے ہوئے اپنی مستند تشریح میں یوں لکھتا ہے کہ "ایران کو فراہم کی جانے والی امریکی فوجی امداد مشرقی بلاک

ساواک کا وہی کام تھا جو امریکی تنظیم CIA اور FBI کا کام تھا۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ساواک ان امریکی تنظیموں کی ایک شاخ کی حیثیت سے ایران اور اس علاقے کے دیگر ملکوں کے سلسلے میں خفیہ اطلاعات جمع کرنے میں لگی رہتی تھی۔

کے خلاف مقابلہ کے لئے نہیں ہے بلکہ ایران میں ان اسلحوں کو داخلی تحریکوں اور بغاوتوں کو دبانے اور کچلنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ اس امریکی فوجی امداد کے استعمال کے سلسلے میں کسی قسم کی فنی اور فوجی ہدایت و پابندی نہ ہونے کی وجہ سے ایرانی حکومت انہیں اپنے داخلی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کر رہی ہے لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ روس کا مقابلہ کرنے کے لئے، ہم ایران میں فوجی طاقت کی ایجاد کے لئے مجبور ہیں، محض پروپگنڈہ اور بالکل بے بنیاد بات ہے اور اس کا مقصد کانگریس کے اراکین پر دباؤ ڈالنا ہے تاکہ وہ شاہ ایران کو دی جانے والی خارجی امداد کی مخالفت نہ کریں۔ ایران کی حمایت و پشت پناہی کی حقیقی اور بنیادی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ عالمی جنگ کے دوران ایران غیر معمولی فوجی اہمیت کا حامل ہے بلکہ اصل مقصد ایران میں شاہی حکومت کی تقویت ہے تاکہ وہ ہمارا موافق بنا رہے اور ہمارے وفادار دوستوں کی فہرست میں قائم رہے۔"[20]

شاہی حکومت کو ایک طاقتور اور خوفناک فوج کی سخت ضرورت تھی، اسی وجہ سے وہ امریکی فوجی مشاورین کی محتاج تھی، چنانچہ وہ امریکی فوجی ماہرین و مشاورین کو ہر طرح کی سہولتوں اور رعایتوں سے مالامال رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ ایرانی حکومت ملک میں جدید سیاسی اور اقتصادی اصلاحات کی تعمیل و ترویج کے سلسلے میں امریکی دباؤ میں تھی لہذا جیسے ہی تہران میں واقع امریکی سفارتخانے کی طرف سے "معاہدہ خصوصی مراعات" یعنی CAPITULATION ACCORD کی تجویز حکومت ایران کے سامنے پیش کی گئی وزیر اعظم علم کی کابینہ نے اسے نہایت خاموشی کے ساتھ منظور کر لیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد ایرانی سینیٹ نے بھی اسے پاس کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد اس وقت کے وزیر اعظم حسن علی منصور نے ۱۹۶۴ء میں اس تجویز کو ایرانی پارلیمنٹ میں پیش کیا اور ممبران پارلیمنٹ نے بھی منظوری دیدی اور اس طرح ارباب حکومت نے ملک و ملت کی پیشانی پر ندامت و شرمندگی اور ذلت و رسوائی کا دھبہ لگا دیا۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆